11

جماعت احمدیہ کا مقصد دنیا میں توحید حقیقی کا قیام ہے

توحید محض زبانی اقرار کا نام نہیں ہے
تمہارا ہر فعل اور ہر عمل توحیدِ الٰہی کا مظہر ہونا چاہیے

(فرمودہ 18؍اپریل 1958ء بمقام لاہور)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

''دنیا میں ہر عقلمند انسان اپنے کاموں کا کوئی نہ کوئی مقصد قرار دیتا ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا 1 ہر انسان کا کوئی نہ کوئی مقصود ہوتا ہے جس کی طرف وہ توجہ کرتا ہے۔ کوئی انسان دنیا میں عزت کے پیچھے پڑا ہوتا ہے، کوئی علمی ترقی کے پیچھے پڑا ہوتا ہے، کوئی اپنے پیشہ کی ترقی کے پیچھے پڑا ہوتا ہے، کوئی مال اور اولاد کی زیادتی کی جستجو میں ہوتا ہے، کوئی حکومت کے پیچھے پڑتا ہے، کوئی دنیا کی خدمت میں لگا ہوتا ہے۔ غرض جو بھی انسان کہلانے کا مستحق ہے اُس کے سامنے کوئی نہ کوئی مقصد ایسا ضرور ہوتا ہے جس کی طرف رات دن اس کا خیال لگا رہتا ہے۔ پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو انبیاء دنیا میں آئیں وہ کوئی مدعا لے کرنہ

آئیں۔ یہ مدعا جو انبیاء لے کر آتے ہیں وہ نمایاں صورت میں توحیدِ الٰہی کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے کیونکہ دنیا میں جتنی خرابیاں اور تباہیاں آتی ہیں وہ توحید کے نہ سمجھنے اور اس پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے آتی ہیں۔ تمام گناہوں، تمام سُستیوں اور غفلتوں اور تمام جُرموں کی جڑ شرک ہے۔

منہ سے بیشک لوگ خدا تعالیٰ کو ایک کہتے ہیں مگر منہ سے کہنے اور عمل کرنے میں بڑا فرق ہے۔ اجمالی ایمان کے لحاظ سے اِس وقت بھی دنیا میں توحید کے ماننے والوں کی کثرت ہے مگر تفصیلی ایمان کے لحاظ سے اس وقت دنیا میں توحید بہت کم ہے۔ عیسائی بڑے زور سے یہ دعوٰی کرتے ہیں کہ وہ توحید کے قائل ہیں بلکہ میں نے بعض عیسائی مصنفین کی کتابیں پڑھی ہیں جن میں وہ مسلمانوں پر اعتراض کرتے ہیں کہ اُن کے اندر توحید نہیں اور کہ اصل اور سچی توحید اُن کے اندر ہی پائی جاتی ہے۔ ہندوؤں میں سے آریہ سماجی توعَلَی الْاِیْمَان اِس بات کا اظہار اپنی کتابوں میں کرتے ہیں کہ توحید کے صحیح حامل وہی ہیں اور دوسروں پر اعتراض کرتے ہیں کہ ان کے اندر توحید نہیں۔ تو جو لوگ بظاہر مشرک نظر آتے ہیں اگر ان کے محققین کی کتابیں دیکھی جائیں تو وہ بھی توحید کے قائل نظر آتے ہیں۔ بُتوں کی پوجا کرنے والے کہتے ہیں کہ ہم بیشک بُتوں کی پوجا کرتے ہیں مگر اس لیے نہیں کہ ہم ان کو خدا تعالیٰ کا شریک سمجھتے ہیں بلکہ محض اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ قائم رکھنے کے لیے ایسا کرتے ہیں۔

مکہ کے مشرک جو سر سے لے کر پیر تک شرک میں ڈوبے ہوئے تھے قرآن کریم بتاتا ہے کہ جب اُن پر یہ اعتراض کیا جاتا کہ تم مشرک ہو تو وہ جواب دیتے کہ ہم مشرک نہیں، ہم تو ان بُتوں کی پوجا اس لیے کرتے ہیں کہ لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى[2] تاکہ یہ ہمیں خدا تعالیٰ کے قریب کر دیں۔ تو منہ کی توحید دنیا میں اکثر پائی جاتی ہے مگر باوجود اِس کے قرآن کریم توحید پر زور دیتا اور دوسری قوموں پر شرک کا الزام لگاتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس توحید کو قرآن کریم پیش کرتا ہے وہ صرف زبانی اقرار کا نام نہیں۔ اگر یہی توحید ہوتی تو چاہیے تھا کہ جب مشرک کہتے کہ ہم بتوں کو خدا نہیں مانتے بلکہ اُن کی پرستش اِس وجہ سے کرتے ہیں کہ لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى تو پھر قرآن کریم ان پر شرک کا الزام لگانا چھوڑ دیتا مگر ایسا نہیں قرآن کریم ان کو بدستور مشرک قرار دیتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم نے ان کے جواب کو صحیح نہیں قرار دیا اور باوجود ان کے اِدّعا کے اُن کو مشرک قرار دیا ہے۔ پھر باوجود اِس کے کہ عیسائی توحید کا دعوٰی کرتے ہیں قرآن کریم اُن پر

شرک کا الزام لگاتا ہے۔ ان کے علاوہ یہود ہیں جو قطعی طور پر بُت پرستی کے خلاف تھے بلکہ بُت پرستی کے خلاف ان کے اندر اِس قدر جذبہ پایا جاتا ہے کہ جس طرح مسلمان بُتوں سے سلوک کرتے ہیں اِس سے بہت زیادہ یہودی کرتے ہیں۔ مسلمانوں میں تو اِس امر کو جائز نہیں سمجھا جاتا کہ کسی کے بُت خانہ کو گرادیا جائے اور اگر اسلامی حکومت ہو تو از روئے شریعت اسے اجازت نہیں کہ کسی قوم کے مَعبد کو خواہ وہ بُت خانہ ہی کیوں نہ ہو توڑ دے سوائے اِس کے کہ وہ معبد اپنا ہو جیسے مکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا جو بڑے پکے موحّد تھے بنایا ہوا تھا اور ان کے علاوہ بعض دوسرے انبیاء کا بھی اس میں دخل تھا اس لیے اسے شرک سے پاک کرنا جائز تھا۔ گویا توحید کے مَعبد کو اگر بُت خانہ میں تبدیل کیا گیا ہو تو دوبارہ اسے شرک سے پاک کرنے کی اجازت ہے ورنہ نہیں لیکن یہود کے عقائد کے رُو سے بُت خانوں کا جلا دینا اور مٹا دینا ضروری ہے اور ایسا نہ کرنے والوں کا ان کے نزدیک مؤاخذہ ہوگا۔ یہود کے مذہب پر تین ہزار سال سے زائد عرصہ ہو چکا ہے مگر یورپ میں رہنے کے باوجود آج تک ان کے اندر شرک نہیں آیا۔ وہ توحید کے ظاہری مفہوم کے لحاظ سے ایسے ہی سخت ہیں جیسے اہلِ حدیث سمجھے جاتے ہیں مگر قرآن کریم ان کو بھی مشرک قرار دیتا ہے حالانکہ ظاہری توحید کے لحاظ سے وہ مسلمانوں سے کسی صورت میں کم نہیں۔ وہ نہ حضرت موسیٰؑ اور نہ کسی اَور کا کوئی بُت بناتے ہیں۔ ان کے معابد بُتوں سے ایسے ہی خالی ہوتے ہیں جیسے مساجد مگر باوجود اِس کے قرآن کریم ان کو مشرک قرار دیتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ قرآن کریم توحید کا جو مفہوم لیتا ہے وہ وہ نہیں جو عام طور پر دنیا میں سمجھا جاتا ہے۔

دنیا میں شرک کے معنے یہ لیے جاتے ہیں کہ بتوں کی پرستش کی جائے، انسانوں کی طرف وہ باتیں منسوب کی جائیں جو خدا تعالیٰ سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس میں شُبہ نہیں کہ یہود کا ایک قلیل طبقہ ایسا تھا جو عزیر کو ابن اللہ سمجھتا تھا مگر وہ ایسا چھوٹا فرقہ تھا کہ اسے ساری قوم کی طرف منسوب ہی نہیں کیا جا سکتا۔ جیسے مسلمانوں میں بھی فقراء کے بعض ایسے گروہ ہیں جو قبروں کی پوجا کرتے ہیں مگر ان کی تعداد چند سو یا چند ہزار سے زیادہ نہ ہوگی اور وہ اِس قدر قلیل تعداد میں ہیں کہ ان کی باتیں مسلمانوں کی طرف منسوب نہیں کی جاسکتیں۔ اِسی طرح یہود میں بھی نہایت محدود طبقہ ایسا تھا جو عزیر کو ابن اللہ کہتا تھا لیکن وہ مٹ گیا اور اِس زمانہ میں ایسے لوگ یہود میں بالکل نہیں ہیں۔ اِسی لیے یہود قرآن کریم پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اس نے یہ غلط بات یہودیوں کی طرف منسوب کی ہے۔ اِسی طرح عیسائی بھی یہ

اعتراض کرتے ہیں کہ کون یہودی عزیر کو ابن اللہ کہتا ہے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ایک چھوٹا سا صدوقی فرقہ تھا جو اِس عقیدہ کا قائل تھا مگر اب یہ فرقہ دنیا سے مٹ چکا ہے اور آج یہودیوں میں ایسا عقیدہ رکھنے والا کوئی شخص نہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد شاید پہلی یا دوسری صدی تک یہ لوگ رہے اور مِٹ گئے۔ اِسی طرح آج عیسائیوں کا کوئی فرقہ ایسا نہیں جو حضرت مریمؑ کو خدا کہے اور اس پر بھی عیسائی اعتراض کرتے ہیں کہ قرآن نے جو بات کہی ہے یہ غلط ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ یہ کبھی کوئی چھوٹا سا فرقہ تھا جو اب مِٹ چکا ہے۔ عیسائیوں کو ہم یوں بھی مجرم کرتے ہیں کہ گرجاؤں پر حضرت مسیحؑ کی والدہ کی تصویر بھی لگائی جاتی ہے اور اس سے بھی وہ دعائیں کرتے ہیں اور ہم کہتے ہیں کہ یہی شرک ہے۔ لیکن اصل بات یہی ہے کہ ابتدائی زمانہ میں ایسے چھوٹے چھوٹے فرقے تھے جو اَب مِٹ چکے ہیں۔

تو میں بیان کر رہا تھا کہ جو لوگ بظاہر توحید پرست ہیں قرآن کریم نے اُن کو بھی مشرک قرار دیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کے نزدیک توحید کا جو مفہوم ہے وہ اُس سے مختلف ہے جو عام طور پر سمجھا جاتا ہے۔ مثلاً ہم یہود کو ہی لیتے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے اُن کے متعلق فرمایا کہ وہ مشرک ہیں تو ہمیں دیکھنا چاہیے کہ قرآن کریم نے ان کو کن معنوں میں مشرک قرار دیا ہے۔ اس غرض کے لیے جب ہم قرآن کریم پر غور کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم یہ نہیں کہتا کہ یہ لوگ بُت بناتے یا ان کی پوجا کرتے ہیں بلکہ فرماتا ہے کہ ان کے اندر یہ شرک ہے کہ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ[3] جو کچھ بھی ان کے علماء کہتے ہیں اُسی کو درست مان لیتے ہیں۔ یہ لوگ ایک انسان کی بات پر اِتنا بھروسا رکھتے ہیں کہ ان کے نزدیک وہ بالکل صحیح ہو جاتی ہے اور اس کے مقابل پر الہام کو بھی ردّ کر دیتے ہیں اور اس طرح الہام کا دروازہ بند کرتے ہیں۔ اُن کے اندر یہ احساس راسخ ہو چکا ہے کہ اُن کے علماء جو بات کہیں وہی درست ہے اور ان کو وحیِ الٰہی اور کسی تعلیم کی ضرورت نہیں۔ اور جو یہ خیال کرلے کہ ہمیں خدائی ہدایت کی احتیاج نہیں اُس کے اندر شرک پیدا ہونا لازمی ہے۔ شرک کی یہ تعریف جو قرآن کریم نے یہودیوں کے متعلق کی ہے آج مسلمانوں میں بھی پائی جاتی ہے کیونکہ وہ بھی یہی عقیدہ رکھتے ہیں کہ جو بات ہمارے علماء کہتے ہیں وہی ٹھیک ہے۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہمیں کسی ہدایت کی ضرورت نہیں۔ اِسی چیز کا نام قرآن کریم میں

یہود کے بارہ میں شرک رکھا گیا ہے۔ جو قوم یہ خیال کرلیتی ہے کہ ہم اپنی ہدایت کا سامان خود کرسکتے ہیں اور ہمارے علماء ہمیں غلط رستے سے بچانے کے لیے کافی ہیں اُس کا یہ خیال اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ قرار دینا ہے۔ خدا تعالیٰ نے یہ حق اپنے لیے رکھا ہے کہ جب کوئی خرابی بندوں میں پیدا ہو وہ اُن کی ہدایت کا انتظام کرے۔ پس جو شخص یہ خیال کرتا ہے کہ ہدایت کا کام بندے کرسکتے ہیں اور خدا تعالیٰ کی جو کتاب ہم میں موجود ہے اُس سے ہمارے لیے ہدایت کا رستہ تلاش کر کے ہمیں بتا سکتے ہیں وہ شرک کرتا ہے۔ اب بتاؤ کیا کوئی قوم دنیا میں ایسی ہے جو توحید کا یہ مفہوم سمجھتی ہو کہ خدا تعالیٰ کو ہادی سمجھا جائے اور اُس کی طرف سے ہر وقت ہدایت کے دروازہ کو کھلا سمجھا جائے۔ یہ وہ توحید ہے جسے قائم کرنے کے لیے انبیاء دنیا میں آتے ہیں۔ جب کسی قوم میں یہ خرابی پیدا ہو جائے کہ وہ اپنی ہدایت کے لیے الہامِ الٰہی سے اپنے آپ کو مستغنی سمجھنے لگ جائے تو یہ اپنی ذات میں اس بات کے لیے کافی ہوتا ہے کہ نبی آ جائے۔ جب بندے یہ کہیں کہ ہمارے لیے پہلے سے نازل شدہ کلام ہی کافی ہے اور ہم اپنے زور سے اس میں سے ہدایت نکالیں گے تو اس غلطی کا جواب یہی ہوسکتا ہے کہ خدا تعالیٰ اپنی طرف سے کسی بندے کو بھیج کر یہ بتا دے کہ تمہارا یہ خیال غلط ہے۔ یہی عقیدہ انسان کو مشرک بنا دینے کے لیے کافی ہے۔ جب کسی قوم میں یہ عقیدہ پیدا ہو جائے تو وہ خدا تعالیٰ کی محبت سے محروم ہو جاتی ہے کیونکہ جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے مجھے جو کچھ دینا تھا دے دیا اب اُس کی طرف سے مجھے کچھ حاصل نہیں ہوسکتا اُسے خدا تعالیٰ کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ توجہ تو وہی کرے گا جو یہ سمجھتا ہے کہ خدا تعالیٰ کا کلام موجود ہونے کے باوجود مجھے اس کی طرف توجہ کی ضرورت ہے۔ جب کسی کے دل میں یہ خیال پیدا ہو جائے کہ ہدایت کے لیے میں اللہ تعالیٰ کا محتاج نہیں ہوں تو اُس کے دل سے محبتِ الٰہی بھی مِٹ جائے گی اور اس کی توجہ بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے ہٹ جائے گی اور یہی اس کی روحانی موت کا دن ہوگی۔ جب یہ خیال پیدا ہو جائے کہ ہمارے علماء کافی ہیں، قرآن کریم عربی زبان میں ہے اور وہ اس کے معنے ہمیں بتا سکتے ہیں تو اس کے یہ معنے ہوں گے کہ اب خدا تعالیٰ کی طرف سے ہمیں کسی خاص ہدایت کی حاجت نہیں۔ پھر خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے کی ضرورت ہی کیا رہ جاتی ہے۔ جب بچہ روٹی کھانے لگ جائے تو پھر ماں کی چھاتیوں کی طرف اس کی توجہ نہیں رہتی لیکن جب تک وہ دودھ پیتا ہے اُس وقت تک ہر وقت وہ ماں کی گود میں رہتا ہے۔ اِسی طرح جب

تک کوئی بندہ یہ محسوس کرے کہ مجھے روحانی غذا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملتی ہے اور ملتی رہے گی اُس وقت تک وہ کوشش کرے گا کہ خدا تعالیٰ کا قُرب حاصل کر سکے مگر جب اس کے دل میں یہ خیال پیدا ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے جو کچھ ملنا تھا مل چکا اَور کچھ نہیں مل سکتا تو پھر وہ خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ نہیں ہوگا بلکہ اُس چیز کے اردگرد گھومتا رہے گا۔

اِس نکتہ کو سمجھتے ہوئے ہماری جماعت کو دو باتوں کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔ ایک تو یہ کہ دنیا جب اِس قدر خطرناک طور پر شرک کی بَلا میں مبتلا ہے جس کے معنے یہ ہیں کہ خدا تعالیٰ کی حکومت سے دنیا باہر ہو رہی ہے ہمارے دائیں بائیں اور آگے پیچھے خدا تعالیٰ کو ماننے اور اُس سے محبت کا دعوٰی کرنے والے اُس کی حکومت سے باہر اور اُس سے بغاوت کر رہے ہیں تو ہمارے اندر کس قدر گھبراہٹ پیدا ہونی چاہیے۔ کوئی ملک جس میں بغاوت پیدا ہو چکی ہو اُس اطمینان سے نہیں بیٹھ سکتا جس اطمینان سے ہماری جماعت کے لوگ بیٹھے ہیں۔ فرض کرو انگلستان میں بغاوت ہو جائے یا کسی اَور ملک مثلاً جرمنی، اٹلی یا فرانس میں بغاوت ہو جائے تو کیا تم سمجھتے ہو کہ حکومت کے سپاہی اس اطمینان سے بیٹھے رہیں گے جس اطمینان سے ہم بیٹھے ہیں؟ یا وہ رات دن لڑائی اور مقابلہ کے لیے تیاری کریں گے؟ شرک بھی ایک روحانی بغاوت ہے۔ اس لیے جو لوگ سمجھتے ہیں کہ اس کے نتیجہ میں دنیا سے روحانی بادشاہت مٹ جائے گی انہیں دن رات یہ گھبراہٹ ہونی چاہیے اور چَین نہیں لینا چاہیے جب تک اس بغاوت کو فرو نہ کر لیں۔ حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کی طرف جو الفاظ منسوب کیے گئے ہیں بیشک اُن الفاظ پر ہم اعتراض کرتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ اُن کی یہ دعا کہ "اے ہمارے باپ! تُو جو آسمان پر ہے تیرا نام پاک مانا جائے، تیری بادشاہت آئے، تیری مرضی جیسی آسمان پر پوری ہوتی ہے زمین پر بھی ہو"۔4 بالکل صحیح ہے اور اِس کے معنے یہ ہیں کہ دنیا میں شرک قائم ہو کر اللہ تعالیٰ کی بادشاہت مِٹ چکی ہے اور وہ اپنے صحابہ کو یہ بتا رہے تھے کہ تم پر لازم ہے کہ دنیا میں خدا تعالیٰ کی بادشاہت قائم کرو اور وہ ان کے اندر ایک درد پیدا کرنا چاہتے تھے۔

آج بھی یہی حالت ہے کہ ہر شخص نے ظاہری اور باطنی معبود بنائے ہوئے ہیں اور سب خدا تعالیٰ سے دور ہو رہے ہیں۔ کوئی تو یہ کہتا ہے کہ ہمارے فلاں فلاں آدمیوں کو خدائی طاقتیں حاصل ہو گئی ہیں اور کوئی کہتا ہے کہ یہ طاقتیں ہم کو مل گئی ہیں۔ عیسائیوں میں جو شرک ہے وہ

آٹوکریسی (AUTOCRACY) ہے یعنی انہوں نے خدا تعالیٰ کی بادشاہت ایک یا چند اشخاص تک محدود کر دی ہے مگر مسلمانوں اور یہودیوں میں جو شرک ہے وہ ڈیما کریسی (DEMOCRACY) ہے۔ انہوں نے خدا تعالیٰ سے خدائی صفات چھین کر آپس میں بانٹ لی ہیں لیکن خدا تعالیٰ سے بہرحال بغاوت کی گئی ہے۔ کسی راجہ کے خلاف بغاوت ہو جائے تو وہاں خواہ کوئی اَور راجہ اپنی حکومت قائم کرے یا لوگ کوئی پارلیمنٹ بنا لیں اُس کی حکومت تو بہرحال مٹ جائے گی۔ اِس زمانہ میں سوائے اس قوم کے جو یہ عقیدہ رکھتی ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہدایت کی ضرورت ہمیشہ رہی ہے اور رہے گی اس کی طرف سے ہدایت کا زمانہ کبھی ختم نہیں ہوسکتا اور نہ ہوگا۔ قرآن کریم ایک سربمہر ہدایت ہے اور اس کے سمجھنے کے لیے ایک قلبِ مطہّر کی ضرورت ہے۔ تمام دنیا خدا تعالیٰ کی بادشاہت سے خالی ہے بلکہ اس کی بادشاہت کے خلاف دنیا میں ایک عام بغاوت ہو رہی ہے اور اس کے سپاہی آرام کے ساتھ بیٹھے ہیں اور انہیں پتا ہی نہیں کہ ملک تباہ ہو چکا ہے۔ اگر واقع میں وہ خدا تعالیٰ کے سپاہی ہیں تو یہ کس طرح ممکن ہے کہ وہ گھروں میں بیٹھے رہیں۔ کسی کی چپہ بھر زمین پر کوئی قبضہ کر لے تو زمینداروں میں خون ہو جاتے ہیں اور درجنوں آدمی قتل ہو جاتے ہیں۔ بلکہ کسی کے درخت کی شاخ اگر دوسرے کے کھیت میں چلی گئی ہو اور وہ اُس کو کاٹ لے تو اِسی پر خون ہو جاتے ہیں۔ کاٹنے والا کہتا ہے یہ میرے کھیت میں تھی مگر دوسرا کہتا ہے کہ اس کی جڑ میرے کھیت میں تھی اِس لیے یہ میری ہے۔ مگر خدا تعالیٰ کی بادشاہت دنیا سے بالکل مٹ چکی ہے اور خدا تعالیٰ کے سپاہی کہلانے والوں میں اس کے متعلق کوئی درد نہیں، کوئی غم نہیں اور وہ بالکل اطمینان سے بیٹھے ہوئے ہیں۔ پس ایک تو یہ بات ہے جس کی طرف میں جماعت کو توجہ دلاتا ہوں۔ میں دیکھتا ہوں کہ اِس وقت جماعت کو جس مستعدی سے کام کرنا چاہیے وہ موجود نہیں۔ قرآن کریم نے ایسی بغاوتوں کے مقابلہ کے لیے جو انتظام کیا ہے اس کا نام دعوت رکھا ہے جسے اِس زمانہ میں تبلیغ بھی کہا جاتا ہے مگر ہماری جماعت کو اس کی طرف وہ توجہ نہیں جو ہونی چاہیے۔ کسی مجلس میں احمدیت کو پیش کر دینا یا کسی اعتراض کا جواب دے دینا اَور بات ہے مگر قرآن کریم نے کیا لطیف بات پیش کی ہے۔ فرمایا اپنی اپنی جگہ پر غور کرو کہ کیا تم نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے؟ اگر تمہارے دل گواہی دیں کہ نہیں تو پھر باتیں بنانے سے کیا حاصل۔ سو جماعت کے دوست بھی اس بات پر غور کریں کہ کیا وہ اپنا فرض ادا کر رہے ہیں۔ مثلاً لاہور کی جماعت ہے۔ لاہور چونکہ ایک

مرکزی جگہ ہے اور یہاں کی جماعت کو خاص اہمیت حاصل ہے اس لیے یہاں کے دوستوں کو بھی اپنے فرائض بہت زیادہ تندہی سے ادا کرنے چاہییں مگر باوجودیکہ میں ہر سفر کے موقع پر یہاں احباب کو توجہ دلاتا ہوں کہ تبلیغ کرو اور جماعت کو بڑھاؤ جب بھی میں آتا ہوں نئی تجاویز تو بہت پیش ہوتی ہیں لیکن عملی نتیجہ بہت کم نظر آتا ہے۔ آپ لوگ جو یہاں موجود ہیں غور کریں کہ آپ نے تبلیغ میں کیا کوشش کی ہے اور خدا تعالیٰ کی حکومت کو دنیا میں قائم کرنے کے لیے کیا جدوجہد عمل میں لائے ہیں۔ بعض لوگ یونہی کہہ دیتے ہیں کہ کیا کریں، لوگ ہماری بات سنتے ہی نہیں۔ مگر میں سمجھتا ہوں یہ صحیح نہیں یہ انسانی فطرت کا غلط مطالعہ ہے۔ انسانی فطرت کو اللہ تعالیٰ نے ایسا بنایا ہے کہ وہ عجوبہ کے طور پر بھی دوسرے کی بات سنتا ہے۔ غلطی ہماری ہے کہ جس رنگ میں ہم بات کو پیش کرتے ہیں وہ سننے کے قابل نہیں ہوتی۔ ہماری جماعت میں عام طریق یہی ہے کہ کسی کو تبلیغ کرتے وقت وفاتِ مسیح کو شروع کر دیں گے یا ضرورتِ نبوت کا مسئلہ پیش کر دیں گے۔ وہ یہ نہیں جانتے کہ بعض دماغ اتنے زنگ آلود ہوتے ہیں کہ ان میں ایسی باتوں کے لیے کوئی جگہ ہی نہیں ہوتی۔ بھلا جو شخص خدا کا ہی قائل نہیں یا نبوت کا قائل نہیں وہ ان باتوں میں کیا دلچسپی لے سکتا ہے۔ مسلمانوں میں کئی لوگ ایسے ہیں جو یوں تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بڑی غیرت کا اظہار کرتے ہیں لیکن اندرونی طور پر وہ خدا تعالیٰ کے بھی منکر ہوتے ہیں۔ یونہی ماں باپ سے سن کر وہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں ورنہ اسلام سے اُن کو کوئی وابستگی نہیں ہوتی۔ ایسے لوگوں کے دلوں میں پہلے خدا تعالیٰ کی خشیت پیدا کرنی چاہیے تا وہ دینی باتوں کو سننے لگ جائیں اور خشیت سب سے بہتر نمونہ سے پیدا کی جا سکتی ہے باتوں سے نہیں۔ جب کوئی دیکھے کہ اس شخص میں ایسی روحانیت ہے جو دوسروں میں نہیں تو اُس کا دل خود بخود اُس کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔

حضرت حمزہؓ کے اسلام لانے کی وجہ یہی تھی کہ انہوں نے اُن تکالیف کو دیکھا جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دی جارہی تھیں اور پھر اُس سنجیدگی کو دیکھا جس سے آپ اُن کو برداشت کرتے جارہے تھے اور اِس طرف بھی اُن کو ایک غلام اور جاہل عورت نے متوجہ کیا۔ آپ نے کوئی دلائل نہیں سنے کہ کوئی خدا ہے یا نہیں، اور کوئی الہام نازل ہوتا ہے یا نہیں، صرف اِس بات کو دیکھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سنجیدگی کے ساتھ اپنی بات پر قائم ہیں اور سمجھتے ہیں کہ دنیا کا غم مجھ ہی کو ہے۔ اِس چیز

نے اُن کا دل بدل دیا اور وہ ایمان لے آئے۔ احادیث میں آتا ہے کہ حضرت حمزہؓ ایک دن شکار کے لیے باہر گئے ہوئے تھے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ابوجہل نے مارا اور گالیاں بھی دیں۔ آپؐ اُس وقت پتھر کی ایک چٹان پر بیٹھے کچھ سوچ رہے تھے کہ ابوجہل آگے بڑھا اور اُس نے آپ کو گالیاں دینی شروع کر دیں اور پھر زور سے ایک تھپڑ آپ کے منہ پر مار دیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے کچھ نہیں کہا۔ آپ خاموشی سے اُٹھے اور گھر تشریف لے گئے۔ حضرت حمزہؓ کی ایک لونڈی یہ نظارہ دیکھ رہی تھی۔ وہ عورت ذات تھی خود تو کچھ نہ کر سکتی تھی منہ میں بڑبڑاتی ہوئی رہ گئی اور شام تک غصہ میں بھری رہی۔ شام کو حضرت حمزہؓ کمان اور ترکش لٹکائے ہوئے گھر آئے، ہاتھ میں شکار پکڑا ہوا تھا اور اِس انداز سے چلے آ رہے تھے کہ گویا کوئی بڑا کارنامہ سرانجام دے کر آئے ہیں۔ جب گھر کے اندر داخل ہوئے تو وہ لونڈی جو مسلمان نہ تھی مگر اِس قربانی کا نظارہ دیکھ چکی تھی کہ لوگ مارتے ہیں صرف اِس وجہ سے کہ آپ خدا کا نام لیتے ہیں اُس نے حضرت حمزہؓ سے مخاطب ہو کر کہا کہ بڑے سپاہی بنے پھرتے ہو کیا کام کر کے آئے ہو؟ تمہارے بھتیجے کو آج ابوجہل نے مارا صرف اس وجہ سے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا نام لیتا تھا۔ تم کس برتے پر بہادر بنے پھرتے ہو؟ حضرت حمزہؓ نے شکار کے شوق میں کبھی یہ نظارہ دیکھا ہی نہ تھا کہ مکہ میں کیا فساد برپا ہے۔ آپ نے لونڈی سے پوچھا کہ کیا ہوا؟ اُس نے کہا کہ اِس طرح وہ اکیلا بیٹھا ہوا تھا کہ ابوجہل نے اُسے مارا۔ یہ سُن کر آپ نے شکار کا سامان نہیں اُتارا اُسی طرح کمان ہاتھ میں پکڑے گئے اور جا کر وہی کمان ابوجہل کے منہ پر ماری اور کہا کہ بڑے بہادر بنے پھرتے ہو! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مارتے ہو! اگر جرأت ہے تو آؤ مجھے مارو۔ یہ دیکھ کر لوگ اُٹھے کہ ہیں ہیں یہ کیا؟ وہ تو دین میں تغیر کرتا ہے۔ اِس پر حضرت حمزہؓ نے کہا کہ اچھا! اگر وہ دین میں تغیر کرتا ہے تو سُن رکھو کہ میرا بھی وہی دین ہے۔ آؤ! اگر لڑنا چاہتے ہو تو مجھ سے لڑ لو۔5

تو یہ سنجیدگی ہی تھی جس کا یہ اثر تھا اور خشیت تھی جو لونڈی نے پیدا کر دی تھی۔ وہ دیکھ رہی تھی کہ آخر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا قصور کیا ہے۔ وہ کسی کی زمین پر قبضہ نہیں کرتے، کسی کا مال نہیں چھینتے، کسی شخص کو اُس کے کسی حق سے محروم نہیں کرتے صرف خدا کا نام لیتے ہیں اور یہ لوگ محض اِس غرور میں کہ یہ طاقتور ہیں آپ کو مارتے ہیں۔ اُن کے اِس مارنے نے حضرت حمزہؓ کی شرافت کو گھائل کر دیا اور انہوں نے کہا کہ اگر انسانیت اِس قدر گر گئی ہے تو جو شخص خدا تعالیٰ کے لیے تکلیف اُٹھا رہا

ہے یقیناً وہی سچا ہے اور میں بھی اُس کے ساتھ ہوں۔ انہوں نے کوئی دلیل نہیں سنی، کوئی مسائل نہیں سمجھے۔ اِس سے قبل وہ خدا تعالیٰ کی توحید کے دلائل بھی سنتے ہوں گے اور نبوت کے ثبوت بھی مگر ایک کان سے سُن کر دوسرے کان سے نکال دیتے ہوں گے۔ وہ فرشتوں کا ذکر بھی سنتے ہوں گے اور قیامت کا بھی مگر کسی کی پروا اُن کو نہ تھی اور نہ اُن میں سے کوئی چیز اُن پر اَثر انداز ہوتی تھی۔ مگر جب اُن کو یہ خیال ہوا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعلیم تو معلوم نہیں اچھی ہے یا بُری۔ مگر وہ سنجیدگی سے اس پر قائم ہیں اور دنیا کی مخالفت کی اُن کو کوئی پروا نہیں تو حمزہؓ کی شرافت نے جوش مارا اور انہوں نے کہا کہ یہ شخص اصول کے لیے قربانی کر رہا ہے اور بے ضرر ہونے کے باوجود دنیا کی مخالفت کا شکار بنا ہوا ہے۔ اس کے پاس ضرور کوئی ایسی چیز ہے جس سے دنیا ڈرتی ہے اور وہ ہدایت کی طرف آ گئے۔ اِسی طرح ہزاروں لاکھوں انسان ایسے ہوں گے جن کی شرافتِ طبعی اُن کو اسلام کی طرف لے آئی۔ انہوں نے دیکھا کہ علماء جب دلائل سے اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے تو پھر دُکھ دینے لگتے ہیں اور اس کے مقابلہ میں آپ کی قربانی کو دیکھ کر وہ اسلام کی صداقت کے قائل ہو گئے۔ تو اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت میں یہ بات رکھی ہے کہ سنجیدگی سے وہ ضرور متأثر ہوتا ہے۔ اور جب کوئی شخص سنجیدگی سے کسی بات پر قائم ہو جائے تو لوگ ضرور اُس کی طرف توجہ کرتے ہیں۔ لیکن اگر کہا کچھ جائے اور کیا کچھ جائے تو پھر کوئی پروا نہیں کرتا۔

پچھلے دنوں بعض طالب علم مجھے ملے اور انہوں نے کہا کہ لوگ ہماری باتوں کو سنتے نہیں۔ میں نے کہا کہ تم پہلے اپنی شکلوں کو تو دیکھو! کیا یہ ویسی ہی ہیں جیسی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قائم کرنا چاہتے تھے؟ اگر نہیں تو پھر لوگ تمہاری منہ کی باتوں کو کس طرح توجہ سے سن سکتے ہیں۔ جسے تم سنانے لگو گے وہ کہے گا کہ عمل نہ اس کا ہے نہ میرا۔ پھر باتوں کا کیا فائدہ۔

یاد رکھو! جب انسان کے دل میں جوش ہو تو اُس کے ساتھ اُس کے اندر ایک تغیر بھی ہوتا ہے اور یہی تغیر دراصل لوگوں پر اثر ڈالتا ہے۔ کئی لوگ مجھ سے کہتے ہیں کہ لوگوں پر سِکھوں کا بہت رُعب ہے۔ میں ہمیشہ اُن کو یہی کہتا ہوں کہ انہوں نے اپنے ظاہری عمل سے اپنا رُعب قائم کیا ہے۔ وہ اپنی روایات پر اس شدت کے ساتھ عمل کرتے ہیں کہ مسلمانوں کو شرم آ جانی چاہیے۔ تم گرمی کے موسم میں تھوڑے عرصہ کے لیے بھی بال نہیں رکھ سکتے مگر وہ رکھتے ہیں اور شوق کے ساتھ رکھتے ہیں۔ لوگ ہمیشہ

اصول کی پابندی کو دیکھتے ہیں اور پھر وہ سمجھتے ہیں کہ ضرور کوئی نہ کوئی بات ایسی ہے جس کے لیے یہ لوگ تکالیف اُٹھاتے ہیں۔ پس پہلی اور ضروری چیز یہ ہے کہ اپنے نمونہ سے ثابت کرو کہ جس چیز کو تم نے اختیار کیا ہے اس کی عظمت تمہارے دل میں ہے۔

ایک دفعہ ایک نوجوان مجھ سے گفتگو کر رہا تھا۔ ایک سوال کے جواب میں وہ کہنے لگا کہ کیا اسلام کی بنیاد داڑھی پر ہے؟ وہ سمجھتا تھا کہ یہ کہیں گے نہیں تو میں کہہ دوں گا کہ پھر اگر میں نے چھوڑ دی تو کیا حرج ہے مگر میں نے کہا کہ اسلام کی بنیاد داڑھی پر تو بیشک نہیں مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت پر ضرور ہے۔ اس کے آگے پھر وہ بات نہیں کر سکا۔ میں نے اُسے کہا کہ بیشک داڑھی کا سوال کوئی اہم نہیں مگر محمد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا سوال بے حد اہم ہے۔ جب کوئی شخص رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اتنا معمولی سا حکم نہیں مان سکتا تو پھر اُس سے یہ کیونکر امید کی جاسکتی ہے کہ وہ کوئی بڑا حکم مانے گا۔ داڑھی نہ رکھنے والے کی تو یہی مثال ہے کہ جیسے کوئی شخص کہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چونکہ مجھ سے ایک پیسہ مانگا تھا اس لیے میں نے نہیں دیا۔ یہ بات سننے والے سب اسے پاگل کہیں گے اور کہیں گے کہ اگر تم سے لاکھ روپیہ مانگا جاتا تو کس طرح کہا جاسکتا ہے کہ تم ادا کر دیتے۔ تم خود اقرار کرتے ہو کہ تم سے جو مانگا گیا وہ بہت تھوڑا تھا اور جب تم اقرار کرتے ہو کہ تم نے وہ بھی پیش نہیں کیا تو پھر جب زیادہ قربانی کا موقع آئے تو تم سے کیا اُمید کی جاسکتی ہے۔

اسلامی تمدن اور اس کے اصول کو دنیا میں قائم کرنا بہت بڑی تبلیغ ہے۔ جب لوگ دیکھیں گے کہ یہ لوگ جو دنیا کے نقطۂ نگاہ سے وحشی نظر آتے ہیں اپنی بات پر اس لیے قائم ہیں کہ خدا تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے اور ہمارے اثر سے باہر ہوگئے ہیں تو وہ ڈریں گے کہ اب ان کا دوسرا قدم یہ ہوگا کہ یہ ہم پر حملہ کریں گے اور دنیا میں وہ شخص یا قوم غالب نہیں ہوا کرتی جس کے گھر پر حملہ ہو بلکہ حملہ آور ہی غالب ہوا کرتا ہے۔ مگر حملہ سے یہ مُراد نہیں کہ لٹھ مار کر کسی کا سر پھوڑ دیا جائے بلکہ حملہ کا مطلب یہ ہے کہ اپنے اصول دنیا کے سامنے پیش کر کے اُن کو قائم کرنے کے لیے جدوجہد کی جائے۔ حملہ کے لئے ہمیشہ جرأت کی ضرورت ہوتی ہے اور وہی شخص دوسرے کے گھر پر حملہ کرنے کی جرأت کرسکتا ہے جس کا اپنا گھر محفوظ ہو، جس کے اپنے گھر میں بہت سے دشمن ہوں وہ کسی کے گھر پر کیا چڑھائی کرے گا۔ اسی طرح جب ہمارا اپنا تمدن اسلامی تمدن کے خلاف ہو تو دوسروں سے اس کی فضیلت کس طرح منوا سکتے

ہیں۔ جو بات ہم اپنے نفس سے بھی نہیں منوا سکتے وہ دوسروں سے کیسے منوا سکتے ہیں۔ پس سب سے پہلے اپنے اندر سنجیدگی پیدا کرو۔ پھر دوسروں کی فطرت سے اپیل کرو بلکہ اپنے اندر سنجیدگی پیدا کرنا خود دوسروں سے اپیل کے مترادف ہوگا۔ تمہارے اردگرد بسنے والے جب دیکھیں گے کہ ہم اسلامی تعلیم پر عمل نہیں کرتے مگر یہ لوگ کرتے ہیں اور تکلیف اُٹھانے کے باوجود کرتے ہیں تو اُن پر وہی اثر ہونا لازمی ہے جو حضرت حمزہؓ پر ہوا تھا۔ وہ غور کریں گے کہ جن باتوں میں ہمیں لذت ملتی ہے اُن کو بھی ملتی ہے مگر یہ محض اسلام کی تعلیم کی وجہ سے اس سے لذّت اندوز نہیں ہوتے جس کا مطلب یہ ہے کہ اُن کے پاس ضرور کوئی ایسی چیز ہے جو اُن کے اندر مقابلہ کی قوت پیدا کرتی ہے اور پھر وہ غور کے ساتھ ہماری باتیں سُنیں گے۔

پس پہلی چیز یہ ہے کہ آپ لوگ اپنے دلوں میں خشیت پیدا کریں۔ میں نے پہلے بھی لاہور میں دوستوں کو یہ نصیحت کی تھی کہ وہ وفات مسیحؑ اور ضرورتِ نبوت پر بحث کرنے کی بجائے اگر لوگوں کے دلوں میں خشیت پیدا کریں تو تبلیغ کا دائرہ بہت وسیع ہوسکتا ہے۔ لوگ کیوں اسلام اور احمدیت کی طرف نہیں آتے؟ اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ مختلف قسم کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں۔ اُن زنجیروں کو توڑ دو تو پھر آئیں گے۔ جب دل شیطان کے قبضہ میں ہوں تو اس طرف توجہ کیسے ہوسکتی ہے۔ پہلے دلوں میں خشیت پیدا کرو پھر خود بخود لوگ توجہ کرنے لگیں گے۔ مگر مجھے افسوس ہے کہ میری ان باتوں کی طرف بہت کم توجہ کی گئی ہے۔ اگر سچائی، دیانت، نیکی، تقوٰی، احسان اور ہمدردیِ خَلق پر آپ لوگ وعظ کریں تو آپ کے اپنے اندر بھی یہ صفات پیدا ہوں گی اور آپ لوگوں کی اپنی اصلاح بھی ہوگی اور سننے والوں کی بھی، آپ کے زنگ بھی دور ہوں گے اور اُن کے بھی۔ مگر میرے بار بار توجہ دلانے کے باوجود اس طرف توجہ نہیں کی گئی۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ سلسلہ کی ترقی اس رنگ میں نہیں ہو رہی جس رنگ میں ہونی چاہیے۔ کل ہی جماعت احمدیہ لاہور کے امیر صاحب کو میں نے حساب کر کے بتایا تھا کہ جس رفتار سے جماعت احمدیہ لاہور کی ترقی ہو رہی ہے اِس کو دیکھتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ پچیس ہزار سال تک لاہور میں آپ لوگوں کی کثرت ہوجائے گی اور ظاہر ہے کہ لاہور دنیا کے مقابلہ میں کوئی چیز نہیں۔ اور جب اس کے لیے ہزاروں سال درکار ہیں تو پھر باقی دنیا میں احمدیت پھیلنے کے لیے کتنا عرصہ درکار ہوگا۔ اور یہ اس وجہ سے ہے کہ جماعت کے دوست یہ سمجھ کر کہ میرا باپ، بھائی اور رشتہ دار تو احمدی

ہو چکے ہیں چلو چُھٹی ہوئی، خاموش ہو کر بیٹھ جاتے ہیں اور دنیا میں خدا تعالیٰ کی بادشاہت قائم کرنے کا خیال بھی اُن کو نہیں آتا تو جو شخص تو خدا تعالیٰ کی بادشاہت کے قیام کے مقصد کو سامنے رکھتا ہے وہ اُس وقت تک آرام، چَین سے نہیں بیٹھ سکتا جب تک ایک فرد بھی اِس سے باہر ہے۔ لیکن جسے اپنے آرام کا خیال ہے وہ اپنے خویش و اقارب کے احمدی ہو جانے پر مطمئن ہو سکتا ہے اور خیال کر سکتا ہے کہ اب خدا تعالیٰ کا فضل ہو گیا ہے اور امن ہو گیا ہے۔ لیکن ہمارا اپنے لیے امن حاصل کرنا نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کی بادشاہت قائم کرنا ہے اور جب تک یہ نہ ہو جائے ہمیں آرام اور چین سے نہیں بیٹھنا چاہیے اور اپنے عملی نمونہ سے ایسا رویہ اختیار کرنا چاہیے کہ لوگوں کے دل خود بخود اِس طرف کھنچے چلے آئیں۔

میں نے بارہا بتایا ہے کہ یہ تعلیم کہ ظلم برداشت کرو، یہ شکست کا ذریعہ نہیں بلکہ فتح کا ہے۔ اور یہ ہار کا نہیں بلکہ فتح کا موجب بنتا ہے۔ ظلم کو بزدلی سے برداشت کرنا پڑا ہے۔ اگر تم ظلم کو اس لیے برداشت کرتے ہو کہ اس کے مقابلہ کی طاقت تم میں نہیں تو بیشک تم بزدل ہو اور اس کا نتیجہ کچھ نہیں ہوگا۔ لیکن اگر ایسی حالت میں برداشت کرتے ہو کہ تم میں مقابلہ کی طاقت ہے، تمہارے پاس بھی ہتھیار ہے تو یہ بزدلی نہیں۔ اسی لیے میں نے بارہا کہا ہے کہ ہمیشہ اپنے پاس سوٹی رکھا کرو۔ کیونکہ اگر تم نہتے ہو کر مار کھاؤ گے تو دنیا یہی کہے گی کہ یہ نہتا تھا۔ اگر اس کے پاس ہتھیار ہوتا تو شاید یہ بھی مارتا لیکن جب ہتھیار ہونے اور طاقت رکھنے کے باوجود تم مار کھاؤ گے تو لوگوں کے دل محسوس کریں گے کہ خدا تعالیٰ کے لیے تم نے قربانی کی ہے۔ یہاں لاہور کا ہی واقعہ ہے۔ یہاں کے دوستوں پر تبلیغ کرنے کا دورہ ایک دفعہ آیا تو بعض دوست تبلیغ کے لیے کسی گاؤں میں گئے۔ وہاں کے لوگوں نے ان کو مارا۔ یہ اگرچہ اچھی تعداد میں تھے مگر اِنہوں نے ہاتھ نہ اُٹھایا۔ ان میں سے کسی کی پگڑی بھی وہاں رہ گئی اور یہ سب چلے آئے۔ اِس پر گاؤں سے کئی میل کے فاصلہ پر سے ایک شخص آ کر اِن سے ملا۔ اُس نے پگڑی واپس کی اور کہا کہ سچائی واقعی آپ کے پاس ہے۔ مجھے اپنی باتیں سنائیں۔ تو جب طاقت رکھنے اور ہتھیار موجود ہونے کے باوجود ظلم کو برداشت کیا جائے تو دوسرے پر ضرور اثر ہوتا ہے اور انسانی فطرت اس سے متأثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی۔

اب تک لاہور کے تمام محلوں میں بھی احمدیت نہیں پھیلی اور اگر کبھی ترقی بھی ہوتی ہے تو اس کی رفتار اِتنی سُست ہوتی ہے کہ خدا تعالیٰ کی حکومت قریب آئی ہوئی نظر نہیں آتی۔ جن محلوں میں چند

اَفراد احمدی ہو گئے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ اب ہمارے لیے گھبراہٹ کی کوئی وجہ نہیں۔ انہیں کبھی خیال ہی نہیں آتا کہ اُن کا کام ساری دنیا میں خدا تعالیٰ کی بادشاہت قائم کرنا ہے۔

پس میں پھر دوستوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ اپنی ذمہ داریوں کو سمجھو اور پوری کوشش سے تبلیغ میں لگ جاؤ۔ یہ ضروری نہیں کہ سارے ہی سمجھیں تو کام شروع کیا جائے۔ اگر ایک شخص بھی اپنی ذمہ داری کو سمجھ لے تو اُسے چاہیے کہ کام شروع کر دے اور دوسروں کے انتظار میں اپنے آپ کو خدمت سے محروم نہ رکھے۔ لوگ دیکھتے رہتے ہیں کہ دوسرے کریں تو ہم بھی کریں گے حالانکہ نیک کام میں دوسروں کے انتظار کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اگر کوئی فردِ واحد بھی اپنی ذمہ داری کو سمجھ کر کام میں لگ جائے تو وہی خدا تعالیٰ کے فضلوں کا وارث ہوسکتا ہے۔ اکیلا ہونے سے گھبرانے کی کوئی وجہ نہیں جبکہ ہر نبی اکیلا تھا۔ کوئی نبی ایسا نہیں جس کے ساتھ پہلے ہی کوئی جماعت ہو اور اِس مثال سے اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ کامیاب ہمیشہ اکیلے ہی ہوا کرتے ہیں۔ جو اس امید میں بیٹھے رہتے ہیں کہ دوسرے آئیں تو ہم بھی چلیں گے وہ کبھی کامیابی کا منہ نہیں دیکھ سکتے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ[6] اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کے دل میں نیکی کی تحریک ہوتی ہے جس پر اگر وہ خاموش ہو جائے تو پھر دل مر جاتا ہے۔ پس اگر کسی ایک کے دل میں بھی یہ جوش پیدا ہو جائے کہ کام کرنا چاہیے تو وہ دوسرے کا انتظار نہ کرے اور کام شروع کر دے مگر عقلمندی کے ساتھ۔ جس طرح ایک قابل جرنیل صرف ایک ہی جگہ پر اپنی طاقت صَرف نہیں کر دیتا بلکہ کبھی ایک جگہ حملہ کرتا ہے اور کبھی دوسری جگہ، کبھی اِس طرف اور کبھی اُس طرف حتّٰی کہ وہ جگہ تلاش کر لیتا ہے جہاں سے حملہ کر کے دروازہ کو توڑا جا سکتا ہے۔

پس تبلیغ عقل کے ساتھ کرنی چاہیے۔ اگر ایک شخص بھی اپنی ذمہ داری کو سمجھتے ہوئے کام شروع کر دے تو وہ اس جگہ خدا تعالیٰ کے نبی کا قائمقام ہوگا کیونکہ انبیاء کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ اکیلے ہی کام کرتے ہیں۔ پس جو اکیلا ہو کر کام کرے گا وہ خدا تعالیٰ کے انبیاء کا ظِلّ ہوگا۔ ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہنے کا ہی یہ نتیجہ ہے کہ لاہور کی جماعت نے اب تک کوئی خاص ترقی نہیں کی اور اب بھی اگر کسی کے دل میں تحریک تو ہو لیکن وہ یہ خیال کرے کہ دوسرے اُٹھیں تو میں بھی اٹھوں گا تو نتیجہ وہی ہو گا جو اَب تک ہوا ہے۔ لیکن اگر کوئی یہ کہے کہ مجھے اِس کی پروا نہیں، کوئی میرا ساتھ دیتا ہے یا نہیں میں

اکیلے ہی کام شروع کرتا ہوں تو وہ نہ صرف یہ کہ خود کامیاب ہوگا بلکہ دوسروں کو بھی اپنے ساتھ ملالے گا کیونکہ خدا تعالیٰ مومن کو کبھی اکیلا نہیں رہنے دیتا۔ اگر کسی ایک کے دل میں تحریک ہو تو وہی کام شروع کر دے مگر پہلے اپنے اعمال کی اصلاح کرے اور اپنی شکل و صورت سے ثابت کرے کہ وہ اسلام کی بات کو سب سے زیادہ اہم سمجھتا ہے، اپنی شکل و صورت، تمدّن، کلام، گفتگو، زبان، اخلاق کو اسلامی بناؤ۔ پھر لوگ خود بخود تمہارا اثر قبول کریں گے اور تمہارے اندر ایسی مقناطیسی طاقت پیدا ہو جائے گی جو خود بخود دوسروں کو کھینچ لے گی۔

میں اُمید کرتا ہوں کہ یہاں کی جماعت بھی اور باہر کی جماعتیں بھی میرے اس خطبہ کے بعد اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کریں گی کہ گزشتہ سُستیوں کا بھی اِزالہ ہو اور جماعت ترقی کرے اور ہمیں اسلامی تمدّن قائم کرنے میں سہولتیں میسر آ سکیں۔ کئی اسلامی احکام ایسے ہیں کہ جب تک جماعت کی تعداد زیادہ نہ ہو اُن کو قائم نہیں کیا جاسکتا۔ پس اول تو ہر شخص اپنے فرض کو ادا کرے۔ لیکن اگر کسی ایک شخص کے دل میں تحریک ہو تو وہ دوسروں کا انتظار کیے بغیر اکیلا ہی کام شروع کر دے اور پھر استقلال کے ساتھ کرتا چلا جائے تا کہ اگر دس سال کے بعد بھی کوئی پوچھے تو وہ کہہ سکے کہ میں نے اس پر عمل کیا ہے اور یقیناً ایسا شخص دوسروں کے لیے ایک نمونہ اور راہنما کا کام دے گا''۔

(الفضل 18 مئی 1960ء)

1: البقرۃ: 149

2: الزمر: 4

3: التوبۃ: 31

4: متی باب 6 آیت 9، 10

5: سیرت ابن ہشام جلد 1 صفحہ 311، 312۔ مطبوعہ مصر 1936ء

6: الانفال: 25